

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM



حنائِ بشری



”خدا ہوتی ہے ندیہ بے پن کی!“
 گل میں آئے بزمی والے سے آلو، میتھی، ٹماٹر
 دیارے کر حیدر کن میں بڑبڑاتی ہوئی آئی تھی۔
 ”عجب عادات و طور طریقے ہیں!“
 بزمی نوکری میں ڈالنے کے بعد اس نے میتھی
 سنا لیا گی۔
 ”جہ نہیں کہی ان کی تربیت ہوئی ہے!“ وہ
 ان کی کھول رہی تھی۔
 میتھی کی ایک گھسی وہ بنا چکی تھی کہ چوبلے پہ
 رکھے پریش کو کر نے سبھی بجا کر گوشت گلنے کا اشارہ
 دے دیا تھا۔ آج دوپہر کے کھانے میں اسے دو سائیں
 بنانے تھے۔ آلو گوشت بچوں کی فرمائش اور آلو میتھی
 شوہر کی پسندیدہ تھی۔ لہذا آج اس نے جلدی ہی
 دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ تاکہ
 شوہر اور بچوں کے آنے سے پہلے سب تیار ہو۔
 گوشت گل چکا تھا۔ اور ساتھ ہی ڈور تیل نے ماسی
 کے آنے کی بھی اطلاع دے دی تھی۔

”بچوں کے کمرے کا ہاتھ روم صاف کر دیا
”زبیدہ!“
دن کے بارہ بجے تک تیزی سے ہاتھ چلاتے
حبیبہ شوہر اور بچوں کی فرمائش تیار کر چکی تھی۔ آلو
گوشت بھی تیار تھا اور آلو بھی تھی۔ خاتون خاندان بہت
مدد تک مطمئن ہو چکی تھی۔ اب اس کا سارا دھیان
زبیدہ کی طرف تھا جو ہنہ بھر کی چٹنی کے بعد کام پہ
دوبارہ آئی تھی۔ حبیبہ نے زبیدہ کے ساتھ لگ کر آج
پورا گھر خوب اچھی طرح سے چکا یا تھا۔

”جی ہاں!“
مضائق سحرانی کے بعد کچن میں بڑے برتنوں کا
ڈھیر ڈھونڈنے کے بعد زبیدہ نے کچن کی بھی خوب اچھی
طرح سے دھلائی کر دی تھی۔
”چائے پی کر جانا!“ زبیدہ صبح کام دن بارہ
بجے تک نہ ٹالیا کرتی تھی۔ مگر کی مضائق سحرانی، برتن
دھونا اور پختے میں ایک بار دھنک مشین لگانے کے
علاوہ اکثر وہ مصروفیت کے دنوں میں حبیبہ کے ساتھ
سبزی بھی بنا دیتی تو نرم طبیعت کی مالک حبیبہ اسے اس
اضافی کام پہ ہر ماہ کی خواہش دو تین سواضائی دے
دیتی تھی۔

”جی ہاں!“
کاموں سے فارغ ہو کر وہ جانے سے پہلے
چائے پی کر جاتی تھی۔ یہ روز کا معمول تھا۔ چائے
پینے کے دوران دونوں میں کسی نہ کسی موضوع پہ ہلکی
چٹکی بات چیت بھی ہوتی جاتی تھی۔ اور پھر زبیدہ اگلے
کام کے لیے نکل جاتی تھی۔
”ہاں بازار سے کچھ منگوانا تو نہیں!“
جس طرح روز بارہ بجے حبیبہ اس کی چائے نہیں
بھونکتی تھی بالکل ایسی طرح روز جانے سے پہلے زبیدہ
یہ پوچھنا نہ بھونکتی تھی۔
”ہاں!“ حبیبہ کو ایک دم سے کچھ یاد آ گیا
تھا۔

”دودھ کے دوڑے لا دو!“

زبیدہ اپنی آخری ڈیوٹی پوری کرنے والی تھی
اور کمرے کے بعد باہر دروازے سے ہی رخصت ہو
گئی تھی۔ مگر دروازہ بند کرنے سے پہلے حبیبہ کی آنکھ
نے پھر وہی منظر دیکھا تھا۔ جو کچھ ایک لمحے سے
اسے گفت کا شکار کرنے کا باعث بنا تھا۔
”پتا نہیں کس قسم کے لوگ آگئے ہیں مجھے!“
کچھ جھٹک کر بڑبڑاتے ہوئے حبیبہ نے دروازہ
قد رے کی سے بند کیا تھا۔
”بھنے والے!“

بھنے والے سے دو بھنے لینے کے بعد پیسے ادا
کرتے ہوئے بے اختیار حبیبہ کی نگاہیں سامنے والے
گھر کی طرف اٹھیں۔ تو وہ اچھی خاصی سب کی تھی۔ دو
آنکھیں سامنے والے گھر کی چھت سے چپکے چپکے روز
حبیبہ کو دیکھتی تھیں۔
حبیبہ سبزی لے رہی ہوتی۔ دو آنکھیں اسے
دیکھتی رہیں۔ وہ گلی میں آئے بھنے والے سے بھنے
لے کر دو آنکھیں گھومتے سے اسے کئی رہیں۔ لڑو چٹکی
والا۔ آکس کریم والا غرض کے حبیبہ جو کچھ بھی ایسا
خریدتی وہ دو آنکھیں بھی اس بات سے قائل نہ رہتی
تھیں۔

وہ ہر چیز کو پوری توجہ سے دیکھتی۔ اور یہ دیکھنا
معمول بن گیا تھا۔ شروع میں تو وہ سامنے آ جاتی
تھی۔ مگر جب اسے احساس ہوا کہ حبیبہ کو اس کا دیکھنا
ناگوار گزرتا ہے تو وہ اب چھپ کر دیکھتی تھی۔ آج بھی
ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ بھر کے لیے حبیبہ نے ایک منہ بھری
نگاہ ڈالی اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ حبیبہ کا غصہ دیکھ کر وہ
گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی، امید تو تھی کہ ایسی
”غضب ناک گھبراہٹ“ کے بعد وہ اپنی عجیب و غریب
اور ناقابل فہم حرکتوں سے باز آ جائے گی۔ مگر ایسا نہ
ہوا۔

حبیبہ کے ساتھ اگلے آنے والے دنوں میں بھی
یہی کچھ ہوتا رہا تھا۔
”حد ہے بھی ڈھیٹ پن کی!“
☆☆☆

”زبیدہ! سامنے والے گھر میں کون لوگ
آئے ہیں!“ معمول کی طرح زبیدہ سب کاموں
سے فارغ ہوئی۔ تو چائے تیار بھی۔ آج چائے کے
سے فارغ ہونے اس کے لیے چھٹی بھی لے رہی تھی۔
”کون وہ سامنے گھر والی اماں جی!“
بھنے کھاتے زبیدہ کا سوال نا اچھی کا شکار بنا تھا۔
آج تو سامنے والی نے حبیبہ کو پختے کی اجتناب
کر دی تھی۔ چٹنی کا دن تھا۔ شوہر اور بچے گھر پہ تھے۔
حبیبہ سبزی والے سے منگ لے رہی تھی۔
اسے لگا کہ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ حبیبہ کا شوہر چھٹی
فرش سے چھٹی خریدنے لگا تو تب بھی دیکھنے والی
متنبہ تھی۔ دو گھر میں پھل والے سے امرود اور مالٹے
خریدے تب بھی وہ لڑکی وہیں موجود تھی۔
”مگر یہ ماجرا کیا ہے؟“ حبیبہ اب الجھ رہی
تھی۔

”اس کو سارا دن کوئی کام نہیں جو یوں ہمارا ہی
قائب کرتی رہتی ہے!“ حبیبہ اب پوری تنہائی کے
ساتھ اس بارے میں غور کر رہی تھی۔
حبیبہ اس محلے میں کچھ عرصہ پہلے ہی آئی تھی وہ
یہاں زیادہ لوگوں کو نہیں جانتی تھی۔ ایک دو گھروں
کے علاوہ حبیبہ کی کسی سے کوئی خاص سلام دعا نہ تھی۔
سامنے والے گھر میں یہ لڑکی کون تھی اس کا آخر مسئلہ
کہا تھا؟ وہ حبیبہ کو کیوں چوری چھپے دیکھتی تھی۔ حبیبہ
کے کچھ پلے نہ پڑا تھا۔ تو اس نے زبیدہ سے ہی پوچھ
لیا۔ جو۔ اس محلے کے ہر گھر کو جانتی تھی کیونکہ دو چار
گھروں میں تو وہ کام لگتی تھی۔
”نہیں اماں جی نہیں، وہ سامنے والے گھر میں
جوڑی رہتی ہے!“ حبیبہ کو یہ تو نہیں پتا تھا کہ وہاں کون
کون رہتا تھا مگر اس لڑکی سے کافی دنوں سے آسنا
سامنا ہوتا رہا تھا۔

ان دنوں دنوں میں مجال ہے کہ وہ لڑکی ذرا بھی
غافل رہی ہو۔ لڑو چٹکی والا، پاپڑ والا، شکر قندی والا،
کول کیوں والا آواز لگاتا۔ حبیبہ کے بچے اکثر بڑی کچھ
نہ کچھ لینے کی خدمت کرتے تو حبیبہ کو وہ لڑکی جھانکتی نظر

آتی۔ سنجیدہ سے چہرے پہ حبیبہ نے کبھی بھی مسکراہٹ
نہ دیکھی تھی۔
”اچھا وہ.....!“ زبیدہ ہنسنے لگی تھی۔
”اماں جی کی بہو ہے سو نیا.....!“
اور پھر زبیدہ کی زبانی اصل قصہ حبیبہ کے علم میں
آیا تو اس روز دوپہر کے سامن میں اس نے خوب
بڑھا کر سامن کی مقدار بارہا دہرائی تھی۔
☆☆☆

حبیبہ کے سامنے والے گھر میں چار افراد تھے۔
ضعیف بیمار ماں، ماں کا بچپن چھپیں سالہ بیٹا اسد، بہو
سونیا اور دو سال کا پوتا۔ گھر میں کئی تھی۔ اسد جو کے
دیہاڑی دار مزدور تھا۔ اس کی آمدنی کچھ خاص نہ
تھی۔ جو کمال کھالہ۔ آمدنی نہ ہوتی تو فاقہ بھی کرنا
پڑتا تھا۔ وہ بمشکل زندگی کی گزاری چلا رہا تھا۔ گھر میں
مسائل کا اہار لگا تھا۔

مہنگائی کے اس دور میں اسد اپنے گھر والوں
کے اخراجات ہر ممکن حد تک پورے کرنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ مگر مہنگائی کے اس دور میں افراد خاندان
محمودیوں کا شکار تھے۔ چھوٹی بڑی ہر ضرورت کے
لیے ترس رہے تھے۔ میں سالہ سونیا ان مصائب کے
باد جو دھیر سے گزرا کر رہی تھی مگر انسان تھی۔ کئی ترشی
اور محرومی غم حال کیے رہی تھی۔

☆☆☆
”اوہ اچھا تو یہ معاملہ تھا.....!“ آلو گوشت
تقریباً تیار ہو چکا تھا۔ حبیبہ نے بس اب گڑ والے
چاول پکانے تھے۔ تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے
حبیبہ نے ایک نگاہ گھڑی پہ ڈالی تھی۔ عصر کا وقت ہو رہا
تھا۔ وہ رات کے کھانے کے لیے سامن اسی وقت
سے جو بے پرچہ ہادی تھی۔

سونیا کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ دل میں
اب ہمدردی ہی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے سنجیدہ سے
چہرے پہ محرمیوں کی داستان حبیبہ نے پڑھ لی تھی۔
وہ گلی میں آتے جاتے لوگوں کو خریداری کرتے
دیکھتی رہتی تھی۔ مگر خریدنے کی خواہش کے باوجود وہ

”ہوسکتا ہے بیٹا..... کسی کو ہم سے بھی زیادہ بھوک لگی ہو!“

ایک ہاتھ میں کھانے کی ٹرے اور دوسرے ہاتھ سے بیٹی کے گال کو چھتکتی جیبیہ کے قدموں کا رخ باہر کی طرف تھا اب بھلا اپنے پانچ سالہ بیٹے کو کی محروم مسائے کے ”بھرم“ کی ساری کھٹا کیا سالی۔ جو اسے سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

”جب اللہ نے تمہیں زرق کشادہ اور ضرورت سے زیادہ دے رکھا ہو تو اس میں سے سب سے پہلے ضرورت مند مسائے کے لیے حصہ نکالو.....!“ جیبیہ کو امی کی نصیحت یاد آ رہی تھی۔

”اور مسایہ بھی ایسا ضرورت مند جو اپنی محرومی کا ”بھرم“ رکھتے ہوئے نہ تو ہاتھ پھیلا رہا ہو اور نہ ہی منہ سے کچھ مانگ رہا ہو۔ اس کا تو زیادہ حق ہے امی کی ایک اور نصیحت یاد آئی تو اس کے قدموں میں تیزی آ گئی تھی۔ وہ باہر نکلی تو روز والا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ گلی میں مالے والا آیا تھا اور غور میں مالے خرید رہی تھیں سو نیا اپنی چھت سے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے یہ دیکھ رہی تھی۔ جیبیہ کو ایک دم سے دیکھا تو وہ گھبرا کر دیوار کے پیچھے ہونے لگی۔ اب وہ جیبیہ سے چھپنے لگی تھی۔

بھرم کی مسکراہٹ کے ساتھ جیبیہ نے سو نیا کے گھر کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ دل میں یہ عہد بھی کیا تھا۔ کہ آئندہ سے اپنے کھانے میں سے مسائے کا حصہ نکالنا نہ بھولے گی۔ جو نہ تو اپنی ضرورت کا اظہار زبان سے کر رہا ہو اور نہ ہی ہاتھ پھیلا رہا ہو۔ اور خاموشی سے اپنی محرومی و عزت کا ”بھرم“ رکھے ہوئے ہو۔

”یہ کھانے کی ٹرے لے لو.....!“

چھت سے جھانکتی سو نیا کو کہتے ہوئے جیبیہ کے دل اور آواز میں ڈھیروں سکون آتا تھا۔

☆☆

کچھ نہیں خریدتی تھی۔
”یابی..... بچاروں کے ہاں بڑی تنگ دستی ہے!“ زبیدہ کے الفاظ جیبیہ کے کانوں میں گونجنے لگے۔

”ادہ خدا یا..... میں کتنا غلط سمجھ رہی تھی.....!“
گڑوالے چاول دم پہ رکھتے ہوئے وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔

ایک چھوٹے ڈونگے میں آلو گوشت اور ایک بڑی پلیٹ میں گڑ والے چاول نکالتے ہوئے جیبیہ کے دل نے اسے ملامت کی تھی۔

”ندیدی..... بد نظر!“ سو نیا کی تانک جھانک جیبیہ کو بہت ناگوار لگی تھی۔ وہ ان سب چیزوں پہ گندی نظر کے اثرات دور کرنے کے لیے ناجانے کیا کیا پھونکا کرتی تھی۔

”ابھی ہمارے پیٹ میں اترا نہیں۔ بد نظروں نے نظریں بھی لگانا شروع کر دی.....!“ جیبیہ اصل صورت حال سے لاعلم تھی اس لیے ناگوار ہی ہوئی تھی۔

”کوئی ڈھیٹ بڑی گتی ہے!“
جیبیہ بھی اسے گھور یوں سے ڈراتی تو کبھی دروازہ زوردار انداز میں بند کر کے اپنی ناگوار ہی اور غصے کا اظہار کرتی۔ مگر اب دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆

کھانا ٹرے میں رکھ کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی تھی کہ ٹیوشن سے اس کا بیٹا بیٹی بھی آ گیا تھا۔
”ماما کہاں جا رہی ہیں؟“ یقیناً اسے بھوک لگی تھی۔

”بس میں پانچ منٹ تک آئی بیٹا۔ وہ سامنے والی آنٹی کو کھانا دے کر!“

”ماما! لیکن مجھے بہت بھوک لگی ہے!“ وہ بھوک کا بہت ہی کچا تھا۔

”ان آنٹی کو کھانا بعد میں دے دینا.....!“ بیٹی نے بھوک سے منہ بسور لیا تھا۔

مختار نگار گیارہ رات میں قتل سے برس
قاریاں آسمان کے گویا ایک لخت تمام ستارے ہی
نوٹ کر برس رہے تھے۔ نوٹ کر گر گئے موتی عیب
عیب بوندوں کی صورت فضا میں خشکی لے آئے تھے
ہنا پلک جھپکائے، کھڑکی کے کھلے پٹ سے آتی

قوة العين ختم ہاشمی

قصہ

